ختمِ نبوّت

(آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو کے اٹھائے گئے سوالات اور شُبہات کا جواب)

از

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

تمہید

عبدالرحمٰن کوندو

ناشر

نام کتاب	:-	ختمِ نبوت
مصنف	:-	علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ
انگریزی سے ترجمہ	:-	میر حسن الدین
ناشر	:-	جموں اینڈ کشمیر اسلامک ریسرچ سینٹر
کمپیوٹر کمپوزنگ	:-	ذکریٰ پرنٹو گرافرس، دہلی ۶
مطبوعہ	:-	شیروانی آرٹ پرنٹرس، دہلی ۶
باراول	:-	۱۹۹۸ء
قیمت	:-	Rs.15/-

-: ملنے کے پتے :-

۱- الحسن بک سینٹر، گندر پورہ نالہ مار روڈ سرینگر کشمیر

۲- الفرقان بک ڈپو، نظیر آباد، لکھنؤ

۳- Book Bell۔ بڈشاہ چوک سرینگر کشمیر

۴- عبداللہ نیوز ایجنسی، امیرا کدل، سرینگر کشمیر

۵- مکتبہ النور، دارالعلوم رحیمیہ بانڈے پورہ کشمیر

۶- حلیم بک ڈپو 1781/2 حوض سوئیوالان، نئی دہلی ۲

تمہید

از عبدالرحمٰن کوندو

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اُمت پر فتنوں کی بارش

محسن اعظم مُخبر صادق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی اُمت کو اپنے زمانہ کے بعد آنے والے بے شمار فتنوں کی خبر دی ہے۔ اور ان سے بچنے کا اور ان کا مقابلہ کرنے کا راستہ بیان فرمایا ہے۔ ان فتنوں میں سب سے زیادہ شدید فتنے وہ ہیں جن کا رُخ اسلام کے عقائدِ حقّہ پر حملے کر کے ملت کو تشتّت [illegible] بالواسطہ مدد کرنا ہوتا آیا ہے۔

فِتنۂ سامراج

انگریزی سامراج نے مشرق کا رُخ کرتے ہی بھانپ لیا تھا کہ بحر
الاٹلانٹک سے بحر الکاھل کے کناروں تک اس کے راستہ میں اگر کوئی بڑی

گئے تو ان کے بعد ان ہی جیسے یا ان سے بھی بڑھ کر دوسرے آتے اور پہلوں کی جگہ لیتے رہے۔ اسی طرح محمد رسول اللہؐ بھی اپنے زمانے کے عربوں کی اصلاح کر کے چلے گئے۔ ان کا دین اسی زمانہ کے لئے تھا، اب نیا دین لیکر کوئی اور آسکتا ہے۔ اور چونکہ مذہب ملکوتی چیز ہے اسلئے اس کی حفاظت جہاد جیسے

حفاظت اور سرپرستی میں سامراج کی بدترین تمناؤں کو پورا کرنے کے لئے اسلام کے عظیم عقائد مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے اور جہاد کی تاقیامت فرضیت سے انکار کیا اور سامراج کی اغراضِ مشؤمہ کو پورا کرنے کے لئے مسلمانوں میں وہ فتنے کھڑے کئے کہ الامان والحفیظ۔

بہائیت نے ایران میں شیعہ مسلمانوں کا شیرازہ بکھیرنے اور قادیانیت

اب چھوڑدو جہاد کا اے دوستو خیال
دین کیلئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

وہ اپنے آپ کو انگریزی سامراج کا "خود کاشتہ پودا" بھی کہتا رہا۔ انگریزی راج کے حق میں اسلامی ممالک (ترکی اور عربستان وغیرہ) میں پروپیگنڈہ کرنے کا دعویٰ بھی کرتا رہا اور انگریزوں پر اپنا احسان جتاتے ہوئے یہ بھی لکھتا رہا کہ :

"میری عمر کا اکثر حصہ اسی سلطنت انگریزی کی تائید و حمایت میں گذرا ہے۔ اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھا

رہے۔ مولانا ظفر علی خان نے فرمایا ہے ؎

کبھی حج ہو گیا ساقط، کبھی قیدِ جہاد اُٹھی
شریعت قادیان کی ہے، رضا جوئی نصاریٰ کی

عُلماءِ اسلام کا جہاد

علماءِ امت نے ایران اور ہندوستان دونوں جگہ اس فتنے کا مقابلہ کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور الحمد للہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے علمائے حق کی سعی کو قبولیت اور برکت عطا فرمائی اور اب یہ دونوں فرقے (بہائی اور قادیانی) ہر محاذ پر پسپا ہو رہے ہیں اور ان کا پھیلا ہوا دجل و فریب کا جال پارہ پارہ ہو چکا ہے اور سامراج کے خاتمہ سے تو وہ سرچشمہ ہی ختم ہو گیا جس پر ان کی آبیاری منحصر تھی۔ اگرچہ سامراج کے رخصت ہو جانے کے بعد بھی انگریز کا "خبیث کاشتہ [illegible] ہاتھ پاؤں

علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور نہ یہ کہ آپ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ آئندہ آپ کی مہر سے نبی بنا کریں گے۔

قرآن کریم کی اس واضح آیت کے معنی میں قادیانیوں کے یہ تاویل اور

نتائج کی امید تھی۔ اس تقریر سے بہت پہلے مولوی چراغ علی مرحوم نے بھی جو مسلمانوں میں کافی سر برآوردہ تھے۔ اور جنہوں نے انگریزی میں اسلام پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ بانئ تحریک سے تعاون کیا اور جہاں تک مجھے معلوم ہے انہوں نے کتاب ''براہین احمدیہ'' کی تدوین وترتیب میں بیش

ہیں۔ مجھے ایسے شخص سے ہمدردی ہے جو کسی روحانی سہارے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کسی مقبرے کا مجاور یا کسی نام نہاد پیر کا مرید بن جائے۔" (تحریک ختم نبوت ص ۹۷) بعد میں علامہ اقبالؒ سے قادیانی اس [illegible] محمود نے بوکھلاہٹ میں اپنے

"AHMADISM (اسلام اور احمدیت) کے عنوان سے انگریزی زبان میں ایک فکر انگیز اور مُحققانہ مقالہ سُپرد قلم کیا جس میں جواہر لال کے اُٹھائے گئے سوالات اور شُبہات کے تسلی بخش جوابات دئے گئے اور قادیانیت کو اسلام کی بغاوت ثابت کیا گیا۔ چنانچہ علامہ اقبال کے اس مضمون کو پڑھ کر جواہر لال خاموش ہو گئے۔ علامہ کا یہ فیصلہ کن مضمون اُس زمانے میں "مُسلم آوٹ

"ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص بعد اسلام اگر یہ دعویٰ کرے کہ مجھ میں ہر دو اجزاء نبوت موجود ہیں یعنی یہ کہ مجھے الہام وغیرہ ہوتا ہے اور میری جماعت میں داخل نہ ہونے والا کافر ہے۔ تو وہ شخص کاذب ہے اور واجب القتل۔ مسیلمۂ کذاب کو اسی بناء پر قتل کیا گیا۔" (انوار اقبال ص ۴۵)

یہاں اس حقیقت کا اظہار کرنا بھی ضروری ہے کہ بعد میں پنڈت جواہر لال نہرو اپنے خیالات سے بیزار ہوئے تھے جیسا کہ لندن سے واپسی پر انکے انٹرویو سے ظاہر ہے۔ شورش کاشمیری نے بھی لکھا ہے :۔

"پنڈت جواہر لال نہرو نے یورپ سے واپسی پر اپنے رفقاء سے بیان کیا

اب نایاب ہو چکی ہے۔ شورش کاشمیری نے بھی علامہ کے اس مقالہ کا اردو ترجمہ کیا ہے جو ۱۹۷۴ء میں پاکستان میں شائع ہوا ہے۔ لیکن ردِ قادیانیت پر علامہ اقبالؒ کے اس اہم مقالہ کے یہ دونوں ترجمے آج کل نایاب ہیں۔ اس مقالہ کی اہمیت کو زیرِ نظر رکھ کر افادۂ عام کیلئے اسکے اردو ترجمہ کو شائع کیا جارہا ہے۔

اللہ تعالیٰ اسے اپنے بندوں کے لے نفع مند بنائے۔

ربنا تقبل منا انكَ انت السميع العليم۔ وصلى الله على خير خلقهٖ مُحمدٍ وعلٰى اٰلِهٖ واصحابهٖ اجمعين۔

الفقير الى اللّٰه

تحریر ۲۲ر فروری ۱۹۹۸ء

عبدالرحمٰن کوندو

خادم جموں اینڈ کشمیر اسلامک ریسرچ سینٹر

ختمِ نبوّتؐ

از

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

(۱)

"ماڈرن ریویو" کلکتہ میں پنڈت جواہر لال نہرو کے تین مضامین شائع ہونے کے بعد سے مجھے اکثر مُسلمانوں نے جو مختلف مذہبی وسیاسی مسلک رکھتے ہیں متعدد خطوط لکھے ہیں۔ اِن میں سے بعض کی خواہش ہے کہ میں احمدیوں کے بارے میں مسلمانانِ ہند کے طرزِ عمل کی مزید توضیح کروں اور اِس طرز عمل کو حق بجانب ثابت کروں۔ بعض یہ دریافت کرتے ہیں کہ میں احمدیت میں کس مسئلہ کو تنقیح طلب سمجھتا ہوں۔ اس بیان میں اُن مطالبات کو پورا کرنا چاہتا ہوں۔ جن کو میں بالکل جائز تصور کرتا ہوں، اور اِس کے بعد اُن سوالات کا جواب دینا [illegible] بہر حال مجھے

نظر انداز کر دیں۔

میرے لئے یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ پنڈت جی کو مشرق کے بلکہ ساری دُنیا کے ایک عظیم الشان مسئلہ سے جو دلچسپی ہے میں اُس کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ میری رائے میں یہ پہلے ہندوستانی قوم پرست قائد ہیں، جنھوں نے دُنیائے اسلام کی موجودہ روحانی بے چینی کو سمجھنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ اس بے چینی کے مختلف پہلوؤں اور ممکنہ ردِّ عمل کے مدِ نظر ہندوستان کے ذی فکر سیاسی قائدین کو چاہئے کہ اس وقت قلبِ اسلام میں جو چیز ہیجان برپا کر رہی ہے اس کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کریں

وجوہ کی بِنا پر دونوں اپنے دل میں مسلمانانِ ہند کے مذہبی اور سیاسی استحکام کو پسند نہیں کرتے۔ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ ہندوستانی قوم پرست جن کی سیاسی تصوریت نے احساسِ حقایق کو کُچل دیا ہے۔ اس بات کو گوارا نہیں کرتے کہ شمال مغربی ہند کے مسلمانوں میں احساس خود مختاری پیدا ہو۔ میری رائے میں ان کا یہ خیال غلط ہے کہ ہندوستانی قومیّت کے لئے ملک کی مختلف تہذیبوں کو مٹا دینا چاہئے حالانکہ اِن تہذیبوں کے باہمی عمل واثر سے ہندوستان ایک ترقی پذیر اور پائیدار تہذیب کو نمودے سکتا ہے۔ ان طریقوں سے جو تہذیب نمو پائے گی اس کا نتیجہ بجز باہمی تشدد اور تلخی کے اور کیا ہوگا۔ یہ بات بھی بدیہی ہے کہ قادیانی بھی

اجتماعی اور سیاسی اہمیت، نہیں رکھتا، اور نہ اس کو کسی نئی تنظیم کا مرکز بناتا ہے، اور نہ یہ استحقاق عطا کرتا ہے کہ وہ اِس نئی تنظیم کو پیروانِ محمد صلعم کے ایمان یا کفر کا معیار قرار دے۔

اس صوفیانہ نفسیات سے قطع نظر کر کے "فتوحات" کی متعلقہ عبارتوں کو پڑھنے کے بعد میرا یہ اعتقاد ہے کہ ہسپانیہ کا یہ عظیم الشان صوفی محمد صلعم کی ختم نبوت پر اسی طرح مستحکم ایمان رکھتا ہے جس طرح

موزوں نہیں تھا، اسی وجہ سے علماء کو کچھ زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔ بانیء احمدیت کے الہامات کی اگر دقیق النظری سے تحلیل کی جائے تو یہ ایک ایسا موثر طریقہ ہوگا جس کے ذریعہ سے ہم اس کی شخصیت اور اندرونی زندگی کا تجزیہ کر سکیں گے۔ اس سلسلہ میں اس امر کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مولوی منظور الٰہی نے بانیء احمدیت کے الہامات کا جو مجموعہ شائع کیا ہے اس میں نفسیاتی تحقیق کے لئے متنوع اور مختلف مواد موجود ہے۔ میری رائے میں یہ کتاب بانئ احمدیت کی سیرت اور شخصیت کی کنجی ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ کسی دن نفسیات جدید کا کوئی متعلم اس کا سنجیدگی سے مطالعہ کرے گا اگر قرآن کریم [illegible] ند

کا تعلق بداہۃً صرف مسلمانانِ ہند سے تھا اس کے علاوہ مغربی
شہنشاہیت کو بھی جو اس وقت اسلامی [illegible] عت کے ساتھ تسلط

لوگ مدعی نبوت کے خیالات کو قبول نہیں کرتے اول درجہ کے کافر ہیں، اور ان کا ٹھکانا نارِ جہنم ہے۔ جہاں تک میں نے اس تحریک کے منشاء کو سمجھا ہے احمدیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مسیح کی موت ایک عام فانی انسان کی موت تھی، اور رجعت مسیح گویا ایسے شخص کی آمد ہے جو روحانی حیثیت سے اس کا مشابہ ہے اِس خیال سے اِس تحریک پر ایک طرح کا عقلی رنگ چڑھ جاتا ہے۔ لیکن یہ ابتدائی مدارج ہیں اُس تصورِ نبوت کے جو ایسی تحریک کے اغراض کو پورا کرتا ہے جس کو جدید سیاسی قوتیں وجود میں لائی ہیں۔ ایسے ممالک میں جو ابھی تمدن کی ابتدائی منازل میں ہیں منطق سے زیادہ سند کا اثر ہوتا ہے۔ اگر کافی جہالت اور زُود اعتقادی موجود ہو اور کوئی شخص اس قدر بے باک ہو کہ حامل الہام ہونے کا دعویٰ کرے جس سے انکار کرنے والا ہمیشہ کے لئے گرفتارِ لعنت ہو جاتا ہے' تو ایک محکوم اسلامی ملک میں ایک سیاسی دینیات کو وجود میں لانا اور ایک ایسی جماعت کو تشکیل دینا آسان ہو جاتا ہے جس کا مسلک سیاسی محکومیت ہو۔ پنجاب میں مبہم دینیاتی عقائد کا فرسودہ جال اس سادہ لوح دہقان کو آسانی سے مسخر کر لیتا ہے جو صدیوں سے ظلم و ستم کا شکار رہا ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو مشورہ دیتے ہیں کہ تمام مذاہب کے راسخ العقیدہ لوگ متحد ہو جائیں اور اُس چیز کی مزاحمت کریں جس کو وہ "ہندوستانی قومیت" سے تعبیر کرتے ہیں یہ طنز آمیز مشورہ اس بات کو فرض کر لیتا ہے کہ احمدیت ایک اصلاحی تحریک ہے۔ وہ، نہیں جانتے کہ جہاں تک ہندوستان میں اسلام کا تعلق ہے۔ احمدیت میں اہم ترین

مذہبی اور سیاسی اُمور تنقیح طلب مضمر ہیں جیسا کہ میں نے اوپر تشریح کی ہے، مُسلمانوں کے مذہبی تفکر کی تاریخ میں احمدیت کا وظیفہ ہندوستان کی موجودہ سیاسی غلامی کی تائید میں الہامی بنیاد فراہم کرنا ہے۔ خالص مذہبی اُمور سے قطع نظر سیاسی اُمور کی بناء پر بھی پنڈت جواہر لال نہرو کے شایانِ شان نہیں کہ وہ مُسلمانانِ ہند پر رجعت پسند اور قدامت پرست ہونے کا الزام لگائیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر وہ احمدیت کی اصل نوعیت کو سمجھ لیتے تو مسلمانان ہند کے اس رویہ کی ضرور تعریف و تحسین کرتے جو ایک ایسی مذہبی تحریک کے متعلق اختیار کیا گیا ہے جو ہندوستان کے تمام آفات و مصائب کے لئے الہامی سند پیش کرتی ہے۔

[illegible] اسلام کے رخسار [illegible]

پنڈت جی کے مضامین سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسلام یا اُنیسویں صدی کے اسلام کی مذہبی تاریخ سے بالکل ناواقف ہیں۔ اُنھوں نے شاید میری تحریرات کا بھی مطالعہ نہیں کیا ہے۔ جن میں اِن کے سوالات پر بحث کی گئی ہے۔ میرے لئے یہاں اُن تمام خیالات کا اعادہ کرنا ممکن نہیں جن کو میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ انیسویں صدی کے مسلمانوں کی مذہبی تاریخ کو پیش کرنا بھی یہاں ممکن نہیں ہے جس کے بغیر دنیائے اسلام کی موجودہ صورت حال کو پوری طرح سمجھنا دشوار ہے۔ ترکی اور جدید اسلام کے متعلق سینکڑوں کتابیں اور مضامین لکھے گئے ہیں۔ میں اس لٹریچر کے بیشتر حصہ کا مُطالعہ کر چکا ہوں، اور غالباً پنڈت جواہر لال نہرو بھی اس کا مطالعہ کر چکے ہوں گے۔ بہر حال میں اُنھیں یقین دلاتا ہوں کہ اِن میں سے ایک مصنف نے بھی اُن نتائج یا اُن اسباب کی

کی ولادت ۱۷۰۰ء میں بمقام نجد ہوئی تھی، اور جو اِس نام نہاد "وہابی

کو پیش کر کے عوام کی کیفیت انتظار کو تشفی دیجاتی تھی۔ اس "مسیح موعود" کا فرض یہ نہیں تھا کہ کسی فرد کو موجودہ پستی سے نجات

روح اب بھی دنیائے اسلام میں سرگرم عمل ہے، اور کوئی نہیں جانتا کہ اس کی انتہا کہاں ہو گی۔

بہر حال یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ ان جلیل القدر ہستیوں کی غایت کیا تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انھوں نے دنیائے اسلام پر تین مخصوص قوتوں کو حکمران پایا۔ اور ان قوتوں کے خلاف بغاوت پیدا کرنے کے لئے اپنی پوری طاقت کو مرتکز کر دیا۔

(۱) **مُلّائیت**۔ علماء ہمیشہ اسلام کے لئے ایک قُوت عظیم کا سرچشمہ رہے ہیں۔ لیکن صدیوں کے مرور کے بعد خاص کر زوال بغداد کے زمانہ سے وہ بے حد قدامت پرست بن گئے، اور آزادیء اجتہاد (یعنی قانونی اُمور میں آزاد رائے قائم کرنا) کی مخالفت کرنے لگے۔ وہابی تحریک جو انیسویں صدی کے مصلحینِ اسلام کے لئے حوصلہ افروز تھی۔ در حقیقت ایک بغاوت تھی علماء کے اِسی جمود کے خلاف۔ پس انیسویں صدی کے مصلحین اسلام کا پہلا مقصد یہ تھا کہ عقائد کی جدید تفسیر کی جائے، اور بڑھتے ہوئے تجربے کی روشنی میں قانون کی جدید تعبیر کرنے کی آزادی حاصل کیجائے۔

(۲) **تصوّف**۔ مُسلمانوں پر ایک ایسا تصوف مسلط تھا جس نے حقائق سے آنکھیں بند کر لی تھیں، جس نے عوام کی قوتِ عمل کو ضعیف کر دیا تھا، اور اُن کو ہر قسم کے توہّم میں مبتلا کر رکھا تھا۔ تصوف اپنے اس اعلیٰ مرتبہ سے جہاں وہ روحانی تعلیم کی ایک قوت رکھتا تھا نیچے گر کر عوام کی جہالت اور زود اعتقادی سے فائدہ اُٹھانے کا ذریعہ بن گیا تھا۔ اُس نے

بتدریج اور غیر محسوس طریقہ پر مسلمانوں کی قوتِ ارادی کو کمزور اور اس قدر نرم کر دیا تھا کہ مسلمان اسلامی قانون کی سختی سے بچنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔ انیسویں صدی کے مصلحین نے اس قسم کے تصوف کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور مسلمانوں کو عصرِ جدید کی روشنی کی طرف دعوت دی۔ یہ نہیں کہ یہ مصلحین مادّہ پرست تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ مُسلمان اسلام کی اُس روح سے آشنا ہو جائیں جو مادّہ سے گریز کرنے کے بجائے اُس کی تسخیر کی کوشش کرتی ہے۔

(۳) ملوکیت۔ مُسلمان سلاطین کی نظر اپنے خاندان کے مفاد پر جمی رہتی تھی، اور اپنے اس مفاد کی حفاظت کے لئے وہ اپنے ملک کو بیچنے میں پس و پیش نہیں کرتے تھے۔ سیدّ جمال الدین افغانی کا مقصد خاص یہ تھا کہ مُسلمانوں کو دنیائے اسلام کی اِن حالات کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا جائے۔

مُسلمانوں کے فکر و تاثر کی دنیا میں اِن مُصلحین نے جو انقلاب پیدا کیا ہے اس کا تفصیلی بیان یہاں ممکن نہیں ہے۔ بہر حال ایک چیز بہت واضح ہے۔ اِن مصلحین نے زاغلول پاشا، مصطفےٰ کمال اور رضا شاہ جیسی ہستیوں کی آمد کے لئے راستہ تیار کر دیا۔ ان مصلحین نے تعبیر و تفسیر، توجیہہ و توضیح کی لیکن جو افراد اِن کے بعد آئے اگرچہ اعلیٰ تعلیم یافتہ نہ تھے تاہم اپنے صحیح رجحانات پر اعتماد کر کے جرأت کے ساتھ میدان عمل میں کود پڑے، اور زندگی کی نئی ضروریات کا جو تقاضا تھا اس کو جبر و قوت سے پورا کیا۔ ایسے لوگوں سے غلطیاں بھی ہوا کرتی ہیں۔ لیکن

تاریخِ اقوام بتلاتی ہے کہ ان کی غلطیاں بھی بعض اوقات مفید نتائج پیدا کرتی ہیں۔ اِن کے اندر منطق نہیں، بلکہ زندگی ہیجان برپا کر دیتی ہے، اور اپنے مسائل کو حل کرنے کے لئے مضطر و بے چین رہتی ہے، یہاں یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ سید احمد خاں، سید جمال الدین افغانی، اور اُن کے سینکڑوں شاگرد جو اسلامی ممالک میں تھے مغرب زدہ مسلمان نہیں تھے۔ بلکہ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے قدیم مکتب کے ملاؤں کے آگے زانوئے ادب تہ کیا تھا، اور اسی عقلی و روحانی فضا میں سانس لی تھی، جس کی وہ از سرِ نو تعمیر کرنی چاہتے تھے۔ جدید خیالات کا اثر ضرور پڑا ہے۔ لیکن جس تاریخ کا اجمالی طور پر اوپر ذکر کیا گیا ہے اُس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ترکی میں جو انقلاب ظہور پذیر ہوا اور جو جلد یا بدیر دوسرے اسلامی ممالک میں بھی ظہور پذیر ہونے والا ہے، بالکل اندرونی قوتوں کا آفریدہ تھا۔ جدید دنیائے اسلام کو جو شخص سطحی نظر سے دیکھتا ہے۔ صرف وہی شخص یہ خیال کر سکتا ہے کہ دنیائے اسلام کا موجودہ انقلاب محض بیرونی قوتوں کا رہینِ منّت ہے۔

کیا ہندوستان سے باہر دوسرے اسلامی ممالک خاص کر ترکی نے اسلام کو ترک کر دیا ہے؟ پنڈت جواہر لال نہرو خیال کرتے ہیں کہ ترکی اب اسلامی ملک نہیں رہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بات کو محسوس نہیں کرتے کہ یہ سوال کہ آیا کوئی شخص یا جماعت اسلام سے خارج ہو گئی، مُسلمانوں کے نقطۂ نظر سے ایک خالص فقہی سوال ہے، اور اس کا فیصلہ اسلام کی ہیئت ترکیبی کے لحاظ سے کرنا پڑے گا۔ جب تک کوئی شخص

اسلام کے دو بنیادی اُصولوں پر ایمان رکھتا ہے، یعنی توحید اور ختمِ نبوّت، تو اُس کو ایک راسخ العقیدہ مَلا بھی اسلام کے دائرہ سے خارج نہیں کر سکتا، خواہ فقہ اور آیاتِ قرآنی کی تاویلات میں وہ کتنی ہی غلطیاں کرے۔ غالباً پنڈت جواہر لال نہرو کے ذہن میں وہ مفروضہ یا حقیقی اصلاحات ہیں جو اتاترک نے رائج کی ہیں۔ اب ہم تھوڑی دیر کے لئے ان کا جائزہ لیں گے۔ کیا ترکی میں ایک عام مادی نقطہء نظر کا نشو و نما اسلام کے منافی ہے؟ مُسلمانوں میں ترک دنیا کا بہت رواج رہ چکا ہے۔ مسلمانوں کے لئے اب وقت آ گیا ہے کہ وہ حقائق کی طرف متوجہ ہوں۔ مادیت مذہب کے خلاف ایک بڑا حربہ ہے۔ لیکن ملّا اور صوفی کے پیشوں کے استیصال کے لئے ایک موثر حربہ ہے جو عمداً لوگوں کو اس غرض سے گرفتارِ حیرت کر دیتے ہیں کہ ان کی جہالت اور زود اعتقادی سے فائدہ اٹھائیں، اسلام کی رُوح مادے کے قرب سے نہیں ڈرتی۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ "تمہارا دنیا میں جو حصہ ہے اُس کو نہ بھولو[1]۔" ایک غیر مُسلم کے لئے اِس کا سمجھنا دشوار ہے۔ گذشتہ چند صدیوں میں دنیائے اسلام کی جو تاریخ رہی ہے اُس کے لحاظ سے مادی نقطہء نظر کی ترقی تحقق ذات کی ایک صورت ہے۔ کیا لباس کی تبدیلی، یا لاطینی رسم الخط کا رواج اسلام کے منافی ہے؟ اسلام کا بہ حیثیتِ ایک مذہب کے کوئی وطن نہیں اور بہ حیثیتِ ایک معاشرہ کے اس کی کوئی مخصوص زبان ہے اور نہ کوئی مخصوص لباس۔ قرآن کا ترکی زبان

---

[1] قصص - ۷۷

میں پڑھا جانا تاریخ اسلام میں کوئی نئی بات نہیں۔ اِس کی چند مثالیں موجود ہیں۔ ذاتی طور پر میں اِس کو فکرو نظر کی ایک سنگین غلطی سمجھتا ہوں کیونکہ عربی زبان وادب کا متعلم اچھی طرح جانتا ہے کہ غیر یورپی زبانوں میں اگر کسی زبان کا مُستقبل ہے تو وہ عربی ہے۔ بہر حال اب یہ اطلاعیں آرہی ہیں کہ ترکوں نے ملکی زبان میں قرآن کا پڑھنا ترک کردیا ہے۔ تو کیا کثرت ازدواج کی ممانعت، یا علماء پر لائیسنس حاصل کرنے کی قید منافیء اسلام ہے؟ فقہ اسلام کی رو سے ایک اسلامی ریاست کا امیر مجاز ہے کہ شرعی "اجازتوں" کو منسوخ کردے، بشرطیکہ اس کو یقین ہوجائے کہ یہ "اجازتیں" معاشری فساد پیدا کرنے کی طرف مائل ہیں۔ رہا علماء کا لائیسنس حاصل کرنا، آج مجھے اختیار ہوتا تو یقیناً میں اسے اسلامی ہند میں نافذ کردیتا۔ ایک اوسط مسلمان کی سادہ لوحی زیادہ تر افسانہ تراش ملاّ کی ایجادات کا نتیجہ ہے۔ قوم کی مذہبی زندگی سے ملاّؤں کو الگ کرکے اتاترک نے وہ کام کیا جس سے ابن تیمیہ یا شاہ ولی اللہ کا دل مسرت سے لبریز ہوجاتا۔ رسول کریمؐ کی ایک حدیث مشکوٰۃ میں درج ہے، جس کی رو سے وعظ کرنے کا حق صرف اسلامی ریاست کے امیر یا اُس کے مقرر کردہ شخص یا اشخاص کو حاصل ہے۔ خبر نہیں اتاترک اس حدیث سے واقف ہیں یا نہیں۔ تاہم یہ ایک حیرت انگیز بات ہے کہ اِس کے اسلامی ضمیر کی روشنی نے اس اہم ترین معاملہ میں اُس کے میدانِ عمل کو کس طرح منور کردیا ہے۔ سویز قانون اور اُس کے قواعد وراثت کو اختیار کرلینا ضرور ایک سنگین غلطی ہے، جو جوش

اصلاح کی وجہ سے صادر ہوئی ہے، اور ایک ایسی قوم میں جو سرعت کے ساتھ آگے بڑھنا چاہتی ہے۔ ایک حد تک قابل معافی ہے۔ پیشوایانِ مذہب کے پنجہء استبداد سے نجات حاصل کرنے کی مسرت ایک قوم کو بعض اوقات ایسی راہ عمل کی طرف کھینچ لے جاتی ہے جس کا اس قوم کو کوئی تجربہ نہیں ہوتا۔ ترکی اور نیز تمام دنیائے اسلام کو اسلامی قانون وراثت کے ان معاشی پہلوؤں کو ابھی منکشف کرنا ہے جن کو فان کریمر (VON KREMER) "فقہ اسلام کی بے حد مثالی شاخ" سے تعبیر کرتا ہے۔ کیا تنسیخِ خلافت یا مذہب و سلطنت کی علٰحدگی منافیء اسلام ہے؟ اسلام اپنی اصلی رُوح کے لحاظ سے شہنشاہیت نہیں ہے۔ اس خلافت کی تنسیخ میں جو بنو اُمیّہ کے زمانہ سے عملاً ایک سلطنت بن گئی تھی اسلام کی روح اتاترک کے ذریعہ کارفرما ہی ہے۔ مسئلہء خلافت میں ترکوں کے اجتہاد کو سمجھنے کے لئے ہمیں ابن خلدون کی رہنمائی حاصل کرنی پڑے گی، جو اسلام کا ایک جلیل القدر فلسفی مورخ اور تاریخ جدید کا ابوالآباء گزرا ہے۔ میں یہاں اپنی کتاب "اسلامی تفکر کی تشکیل جدید" کا اقتباس پیش کرتا ہوں :۔

"ابن خلدون اپنے مشہور "مقدمۂ تاریخ" میں عالمگیر اسلامی خلافت سے متعلق تین متمائز نقاط نظر پیش کرتا ہے (۱) عالمگیر خلافت ایک مذہبی ادارہ ہے، اسی لئے اس کا قیام ناگزیر ہے (۲) اس کا تعلق محض اقتضائے وقت سے ہے (۳) ایسے ادارے کی ضرورت ہی نہیں۔ آخر الذکر خیال کو خارجیوں نے اختیار کیا تھا، جو اسلام کے ابتدائی

جمہوریین تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جدید ترکی پہلے خیال کے مقابلہ میں دوسرے خیال کی طرف مائل ہے، یعنی معتزلہ کے اس خیال کی طرف کہ عالمگیر خلافت محض اقتضائے وقت سے تعلق رکھتی ہے۔ ترکوں کا استدلال یہ ہے کہ ہم کو اپنے سیاسی تفکر میں اپنے ماضی کے سیاسی تجربے سے مدد لینی چاہئے جو بلاشک وشبہ اس واقعہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ عالمگیر خلافت کا تخیل عملی صورت اختیار کرنے سے قاصر رہا۔ یہ تخیل اس وقت قابل عمل تھا جب کہ اسلامی ریاست برقرار تھی۔ اس ریاست کے انتشار کے بعد سے کئی آزاد اسلطنتیں وجود میں آگئی ہیں۔ اب یہ تخیل بے اثر ہو گیا ہے، اور اسلام کی تنظیم جدید میں ایک زندگی بخش عنصر کی حیثیت سے کارگر نہیں ہو سکتا۔

مذہب وسلطنت کی علٰحدگی کا تصور بھی اسلام کے لئے غیر مانوس نہیں ہے۔ امام کی "غیبت کبریٰ" کا نظریہ ایک مفہوم میں ایک عرصہ پہلے شیعی ایران میں اس علٰحدگی کو روبہ عمل لا چکا ہے۔ ریاست کے مذہبی وسیاسی وظائف کی تقسیم کے اسلامی تصور کو کلیسا اور سلطنت کی علٰحدگی کے مغربی تصور سے مخلوط نہ کرنا چاہئے۔ اول الذکر تو محض وظائف کی ایک قسم ہے، جیسا کہ اسلامی ریاست میں شیخ الاسلام اور وزراء کے عہدوں کے تدریجی قیام سے واضح ہو جاتا ہے لیکن آخر الذکر روح اور مادہ کی مابعد الطبعی ثنویت (دوئی) پر مبنی ہے۔ مسیحیت کا آغاز ایک نظام رہبانیت سے ہوتا ہے جسے دنیاوی اُمور سے کوئی تعلق نہیں تھا اسلام ابتدا ہی سے ایک نظام معاشری رہا ہے جس کے قوانین بالطبع

مُعاشری ہیں، اگرچہ اِن کا ماخذ الہامی ہے۔ مابعد الطبعی ثنویت نے جس پر مذہب و سلطنت کی علٰحدگی کا مغربی تصور مبنی ہے، مغربی اقوام میں تلخ ثمرات پیدا کئے۔ کئی سال ہوئے امریکہ میں ایک کتاب لکھی گئی تھی جس کا عنوان تھا۔ "اگر مسیح شکاگو آئیں" (If Christ Came to Chicago) اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک امریکی مصنف کہتا ہے کہ :۔

"مسٹر اسٹیڈ (Stead) کی کتاب سے ہمیں جو سبق حاصل کرنا ہے یہ ہے کہ اس وقت نوع انسان جن برائیوں میں مبتلا ہے وہ ایسی برائیاں ہیں جن کا ازالہ صرف مذہبی تاثرات ہی کر سکتے ہیں۔ ان برائیوں کا ازالہ ایک بڑی حد تک ریاست کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ لیکن خود ریاست فساد انگیز سیاسی مشینوں میں دب گئی ہے، یہ مشین ان برائیوں کا ازالہ کرنے کے لئے نہ صرف تیار نہیں بلکہ وہ اس قابل بھی نہیں ہیں۔ پس کروڑہا انسانوں کو تباہی، اور خود ریاست کو انحطاط سے بچانے کے لئے بجز اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ شہریوں میں اپنے اجتماعی فرائض کا مذہبی احساس پیدا کیا جائے۔"

مُسلمانوں کے سیاسی تجربے کی تاریخ میں مذہب و سلطنت کی علٰحدگی محض وظائف کی علٰحدگی ہے نہ کہ عقائد کی۔ اسلامی ممالک میں مذہب و سلطنت کی علٰحدگی کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ مُسلمانوں کی قانون سازی عوام کے ضمیر سے بے تعلق ہو جائے، جو صدیوں سے اسلامی روحانیت کے تحت پرورش و نمو کرتا رہا ہے۔ تجربہ خود بتلا دے گا کہ یہ تخیل جدید ترکی میں کس طرح عملی صورت اختیار کرتا ہے۔ ہم صرف یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ یہ اُن برائیوں کا باعث نہ ہوگا جو یورپ اور

امریکہ میں پیدا ہو گئی ہیں۔

(۴)

متذکرۂ صدر اصلاحات پر میں نے جو اجمالی بحث کی ہے اُس میں میرا روئے سخن پنڈت جواہر لال نہرو سے زیادہ مسلمانوں کی طرف تھا۔ پنڈت جی نے جس اصلاح کا خاص طور پر ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ ترکوں اور ایرانیوں نے نسلی اور قومی نصبُ العین اختیار کر لیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ایسا نصب العین اختیار کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ترکوں اور ایرانیوں نے اسلام کو ترک کر دیا ہے۔ تاریخ کا متعلم اچھی طرح جانتا ہے کہ اسلام کا ظہور ایسے زمانہ میں ہوا جب کہ وحدت انسانی کے قدیم اُصول جیسے خونی رشتہ، اور ملوکیت ناکام ثابت ہو رہے تھے۔ پس اسلام نے وحدتِ انسانی کا اُصول گوشت اور پوست میں نہیں بلکہ رُوح انسانی میں دریافت کیا۔ نوع انسان کو اسلام کا اجتماعی پیام یہ ہے کہ "نسل کے قیود سے آزاد ہو جاؤ یا باہمی لڑائیوں سے ہلاک ہو جاؤ۔" یہ کہنا کوئی مبالغہ نہیں کہ اسلام فطرت کی نسل سازی کو ٹیڑھی نظر سے دیکھتا ہے، اور اپنے مخصوص اداروں کے ذریعہ ایسا نقطۂ نظر پیدا کر دیتا ہے جو فطرت کی نسل سازی قوتوں کی مزاحمت کرتا ہے۔ انسانی برادری قائم کرنے کے سلسلہ میں اسلام نے جو اہم ترین کارنامے ایک ہزار سال میں انجام دئے ہیں وہ مسیحیت اور بُدھ مت نے دو ہزار سال میں بھی انجام نہیں دئے۔ یہ بات ایک معجزے سے کم نہیں کہ ایک ہندی مسلمان نسل اور زبان کے اختلاف کے باوجود

مراکش پہنچ کر اجنبیت محسوس نہیں کرتا، تاہم یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اسلام نسل کا سرے سے مخالف ہے۔ تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے معاشری اصلاح کو زیادہ تر اس امر پر مبنی رکھا کہ بتدریج نسلی عصبیت کو مٹایا جائے اور ایسا راستہ اختیار کیا جائے جہاں تصادم کا کم سے کم امکان ہو۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ :۔

"ہم نے تم کو قبائل میں اس لئے پیدا کیا ہے کہ تم پہچانے جاسکو لیکن تم میں سے وہی شخص خدا کی نظر میں بہترین ہے جس کی زندگی پاک ہے[1]۔" اگر اس امر کو مدِ نظر رکھا جائے کہ مسئلہ نسل کس قدر زبردست ہے، اور نوع انسان سے نسلی امتیازات مٹانے کے لئے کس قدر وقت درکار ہے تو مسئلۂ نسل کے متعلق صرف اسلام ہی کا نقطہء نظر (یعنی خود ایک نسل ساز عنصر بنے بغیر نسلی امتیازات پر فتح پانا) معقول اور قابلِ عمل نظر آئے گا۔ سر آرتھر کیتھ (Sir Arthur Keith) کی چھوٹی سی کتاب "مسئلہ نسل" (The Problems of Race) میں ایک دلچسپ عبارت ہے، جس کا اقتباس یہاں پیش کرنا نامناسب نہ ہوگا :۔

"اب انسان میں اس قسم کا شعور پیدا ہو رہا ہے کہ فطرت کا ابتدائی مقصد یعنی نسل سازی جدید معاشی دنیا کی ضروریات کے منافی ہے۔ اور وہ اپنے دل سے پوچھتا ہے کہ مجھ کو کیا کرنا چاہئے؟ کیا نسل سازی کو ختم کر کے جس پر فطرت اب تک عمل پیرا تھی دائمی امن حاصل کیا

---

[1] سورہ حجرات ۔ ۱۳

جائے؟ یا فطرت کو اجازت دیجائے کہ وہ اپنی قدیم راہِ عمل اختیار کرے، جس کا لازمی نتیجہ جنگ ہے؟ انسان کو کوئی ایک راہ عمل اختیار کرنی پڑے گی۔ کوئی درمیانی راستہ ممکن نہیں۔"

لہٰذا یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر اتاترک اتحاد تورانیت سے متاثر ہے تو وہ روحِ اسلام کے خلاف اس قدر نہیں جارہا ہے جس قدر کہ روح عصر کے خلاف۔ اگر وہ نسلوں کے وجود کو ضروری سمجھتا ہے تو اس کو عصر جدید کی روح شکست دیدے گی، کیونکہ عصر جدید کی روح بالکل روح اسلام کے مطابق ہے۔ بہر حال ذاتی طور پر میں خیال کرتا ہوں کہ اتاترک اتحاد تورانیت سے متاثر نہیں ہے۔ میرا یقین ہے کہ اس کا اتحاد تورانیت ایک سیاسی جواب ہے اتحاد سلاف، یا اتحاد المانویت، یا اتحاد انگلو سیکسن کا۔

اگر مندرجہ ء بالا عبارت کا مفہوم اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو قومی نصبُ العین سے متعلق اسلام کے نقطہء نظر کو سمجھنے میں دشواری نہ ہوگی۔ اگر قومیت کے معنی حب الوطنی اور ناموسِ وطن کے لئے جان تک قربان کرنے کے ہیں تو ایسی قومیت مسلمانوں کے ایمان کا ایک جزو ہے۔ اس قومیت کا اسلام سے اُس وقت تصادم ہوتا ہے جب کہ وہ ایک سیاسی تصور بن جاتی ہے، اور اتحادِ انسانی کا بنیادی اصول ہونے کا دعویٰ کرتی ہے، اور یہ مطالبہ کرتی ہے کہ اسلام شخصی عقیدے کے پس منظر میں چلا جائے اور قومی زندگی میں ایک حیات بخش عنصر کی حیثیت سے باقی نہ رہے۔ ترکی، ایران، مصر اور دیگر اسلامی ممالک میں قومیت کا

مسئلہ پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ ان ممالک میں مسلمانوں کی زبردست اکثریت ہے اور یہاں کی اقلیتیں جیسے یہودی، عیسائی، اور زرتشتی اسلامی قانون کی رو سے یا تو اہل کتاب ہیں یا "اہل کتاب سے مشابہ ہیں" جن سے معاشی اور ازدواجی تعلقات قائم کرنا اسلامی قانون کے لحاظ سے بالکل جائز ہے۔ قومیت کا مسئلہ مُسلمانوں کے لئے صرف ان ممالک میں پیدا ہوتا ہے جہاں وہ اقلیت میں ہیں، اور جہاں قومیت کا یہ تقاضا ہو کہ وہ اپنی ہستی کو مٹا دیں۔ جن ممالک میں مسلمان اکثریت میں ہیں اسلام [illegible] ہم آہنگ [illegible] لیتا ہے، کیونکہ یہاں اسلام اور قومیت عملاً

پیدا کرنے کی ضامن ہے۔ یہی وحدت اسلامی ریاستوں میں سیاسی اتحاد قائم کرنے میں سہولت پیدا کرتی ہے، خواہ یہ اتحاد عالمگیر ریاست (مثالی) کی صورت اختیار کرے، یا اسلامی ریاستوں کی ایک جمعیت کی صورت، یا متعدد آزاد ریاستوں کی صورت جن کے معاہدات اور میثاقات خالص معاشی وسیاسی مصلحتوں پر مبنی ہوں گے۔ اس طرح اس سیدھے سادھے مذہب کی تعقلی ہیئت ترکیبی رفتار زمانہ سے ایک تعلق رکھتی ہے۔ اس تعلق کی گہرائی قرآن کی چند آیتوں کی روشنی میں سمجھ

Ahmadis are Traitors

Both To Islam And To India.

(ALLAMA IQBAL'S LETTER TO PANDIT JAWAHAR LAL NEHRO.)

LAHORE

June 21, 1936

My dear Pandit Jawaharlal,

Thank you so much f